ابن تیمیہ، امام زرکشی، علامہ فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے تصور نظم قرآن کو پیش کیا گیا ہے۔

۲۲۔ عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۴۱

۲۳۔ یہ کتاب ۱۳۶۰ھ میں مطبع معارف اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ ۸۸/صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں خالصتاً قرآنی بلاغت پیش کی گئی ہے۔

۲۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: دلائل الاعجاز، الامام عبدالقاهر الجرجانی، (جمعہ و علّقہ محمد بن تاویت) المطبعۃ المهدیۃ، بدون تاریخ، جلد ۲، ص ۱۰۰۔۱۱۲

۲۵۔ ملاحظہ کیجیے: علامہ حمید الدین فراہی: حیات وافکار، (مجموعۂ مقالات) انجمن طلبۂ قدیم، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، مقالہ: مولانا فراہی کے تنقیدی نظریات 'جمهرۃ البلاغۃ' کی روشنی میں، پروفیسر محمد راشد ندوی، ص ۵۳۳۔۵۴۶

۲۶۔ عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۵۶

۲۷۔ حوالہ سابق، ص ۲۳

۲۸۔ مفردات القرآن، ال امام عبدالحمید الفراہی، (تحقیق وشرح الدکتور محمد اجمل ایوب الاصلاحی)، دارالغرب الاسلامی، بیروت، ۲۰۰۲ء، طبع اوّل، ص ۱۳۴۔۱۳۶

۲۹۔ تدبر قران، مولانا امین احسن اصلاحی، دارالاشاعت الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۷ھ/ ۱۹۶۷ء، طبع اوّل، ص ۴۵۶

۳۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۶۴۔۶۵

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (O)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

ایران میں عطّار شناسی

(فریدالدین عطار کی تصنیفات پر ڈاکٹر شَفیعی کی تحقیق)

——— محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ

ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کَدکَنی ۱۹۳۹ء میں خراسان کے ایک قصبہ کَدکَن (ضلع نیشابور) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد اور اس دور کے معروف عالم ادیب نیشابوریؒ سے عربی زبان و ادب میں تلمذ کیا۔ علوم اسلامی کی تعلیم مشہور عُلماء: شیخ ہاشم قزوینیؒ اور میلانیؒ سے حاصل کی۔ ۱؎ دانش گاہ فردوسی مشہد سے فارسی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد دانش گاہِ تہران سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ۱۹۶۹ء سے تہران یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی ادب کے موضوعات، مثلاً اسلوبیات، ادبی تنقید، اصنافِ سخن، عرفان، تصوف وغیرہ پر کئی برسوں سے مسلسل لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے انگلینڈ اور امریکہ کی یونی ورسٹیوں (اکسفرڈ اور پرنسٹن) کی دعوت پر وہاں جا کر اپنے تحقیقی اور تدریسی کاموں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب بلند پایہ محقق ہونے کے ساتھ مشہور و معروف شاعر بھی ہیں۔ کلاسیکی اور جدید شاعری میں ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ۲؎

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے مختلف کتابیں اور بہت سے مقالات تحریر کرنے کے ساتھ بعض قدیم اور اہم عرفانی متون کی تصحیح کی ہے اور ان پر نہایت عالمانہ تعلیقات لکھی ہیں۔ بنیادی مآخذ تک رسائی کے لیے ڈاکٹر صاحب دنیا بھر کی تمام لائبریریوں کا

سراغ لگاتے رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسے نایاب قلمی نسخوں کی دریافت کی ہے جو دنیائے علم و عرفان میں پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں اور ان کی وجہ سے بعض عارفوں کے بارے میں جدید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

چالیس سال پہلے ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے ارادہ کیا تھا کہ خُراسان کے اہم عارفوں، ان کے حالات اور تصانیف پر ایک کتاب 'پیرانِ خُراسان' کے عنوان سے تحریر کریں گے۔ لیکن کتاب کی ضخامت کو مدّنظر رکھتے ہوئے انھوں نے پانچ علیٰحدہ کتابیں پانچ بڑے عارفوں پر لکھیں، جن میں ان کے حالات، ماحول اور نظریات کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے اور ہر ایک عارف کی تالیفات / ملفوظات کی بڑی دقّتِ نظری سے تصحیح کی ہے اور انہیں مبسوط مقدمہ اور فاضلانہ تعلیقات کے ساتھ شائع کروایا ہے۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی عرفانی متون کی تصحیحات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول: اہم عُرفا کی تالیفات / ان سے متعلق متون کی تصحیح: ڈاکٹر صاحب نے اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید دو جلدوں میں چھپوائی تھی۔ پہلی جلد میں متن اور دوسری جلد میں تعلیقات ہیں، جن میں مباحثِ لغوی، اصطلاحاتِ عرفانی، احادیث، عربی اشعار اور عبارتوں کے ترجمے، اقوال اور حکایات کے مآخذ، متن سے متعلق توضیحی یادداشتیں اور جامع اشاریہ شامل ہیں۔ مجموعہ میراثِ عرفانِ ایران کے نام سے (اب تک) یہ پانچ کتابیں چھپ چکی ہیں: دفتر روشنائی، بایزید بَسطامی سے متعلق، نَوِشتہ بَر دریا (دریا پر لکھائی) ابوالحسن خَرَقانی سے متعلق، چشیدَنِ طعمِ وقت (وقت کا رَس) ابوسعید ابوالخیر سے متعلق، دَر ہر گز و ہمیشۂ انسان (انسانی ہمیشگی) خواجہ عبداللہ انصاری سے متعلق، دَرویشِ سِتیہَندہ (مُبارزِ دَرویش) شیخ جام سے متعلق۔

دوم: عطّارؒ (۵۵۳۔ ۶۲۷ ھ) کی تالیفات کی تصحیح، مجموعہ آثارِ فرید الدین عطّار نیشابوری کے عنوان سے۔

زیرِ تحریر مضمون میں ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی ان تصحیحات پر گفتگو کی جائے گی۔

اب تک مذکورہ مجموعہ کے پانچ اجزاء، یعنی عطّار کی پانچ تصحیح شدہ کتابیں

منظر عام پر آچکی ہیں:

مجموعہ آثار عطّار (۱)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات منطق الطیر، ۲۰۰۴ء، (اخیر تیرہویں اشاعت، ۲۰۱۴ء، نیز اس کا مختصر ایڈیشن ۲۰۰۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۲)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات الٰہی نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر ساتویں اشاعت ۲۰۱۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۳)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات مصیبت نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر چھٹی اشاعت ۲۰۱۳ء)

مجموعہ آثار عطّار (۴)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات اَسرار نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر ساتویں اشاعت ۲۰۱۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۵)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات مختار نامہ، ۱۹۷۸ء، (اخیر چھٹی اشاعت ۲۰۱۵ء)

زبورِ پارسی؛ نگاہی بہ زندگی و غزل ہائے عطار، ۱۹۹۹ء، (اخیر دوسری اشاعت ۲۰۰۱ء)

اس سے پہلے عطّار پر کئی ایرانی اسکالرز اور مستشرقین نے نہایت عمدہ کام کیا ہے۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی اپنی مذکورہ تصحیحات کے مقدّموں میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے عظیم کاموں کے معترف ہیں۔ مثلاً بدیع الزّمان فروزان فر، کی 'شرحِ احوال و نقد وتحلیلِ آثارِ شیخ فریدالدین محمد عطّار نیشابوری' (پہلی اشاعت ۱۹۶۱ء)، ڈاکٹر عبدالحسین زَرّین کوب کی 'صدایِ بالِ سیمُرغ؛ دربارۂ زندگی و اندیشۂ عطار' (پہلی اشاعت ۱۹۹۹ء) ڈاکٹر سید صادق گوہرین نے 'منطق الطیر' کی تصحیح کی ہے، جو مقبول ترین تصحیح مانی جاتی ہے اور سالہائے سال سے ایران کی یونی ورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ نیز مرحوم گوہرین نے 'اَسرار نامہ' (پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء) کی تصحیح کی تھی۔ فواد روحانی نے 'الٰہی نامہ' کی (۱۹۶۱ء) کی تصحیح ایران اور یورپ میں موجود اکیس نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد کی ہے۔ نیز ہلموٹ ریٹر نے 'الٰہی نامہ' (۱۹۴۰ء) کی تصحیح کی

ہے ۔عطّار اور ایرانی اسلامی عرفان کے سلسلے میں ان کی یہ شاہ کار تحقیق ہے ۔ڈاکٹر عبداللہ نورانی وصال نے 'مصیبت نامہ' (پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء) کی تصحیح کی تھی ۔ ۳؎

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی تصحیحات کی امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔انھوں نے ایسے مُعتبر نسخوں، مآخذ اور متون کا سراغ لگایا ہے جو دیگر اسکالرز کی دست رس میں نہیں تھے، جس کی وجہ سے ان کی تالیفات میں کہیں کہیں خامیاں ملتی ہیں ۔ڈاکٹر شفیعی کَدکَنی ان کی نشان دہی کرتے ہیں ۔

۲۔اصالت وصحّتِ نسخہ: انھوں نے ایسے مُعتبر نسخوں کا سراغ لگایا ہے جن کی کتابت عطّار کے زمانے کے قریب کی ہے ۔انھوں نے مختلف علوم: لسانیات، نسخہ شناسی، علوم اسلامی وغیرہ کے تناظر میں ان تمام نسخوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اصالت اور صحّت کی بنا پر ایک نسخہ کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔

۳۔مقدمہ: ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی ہر تصحیح ایک مبسوط مقدمہ پر مشتمل ہے ۔یہ مقدمہ نہ صرف عطّار شناسی کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، بلکہ عطّار کے عہد اور جغرافیائی ماحول کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے عرفانی سلسلہ اور دوسرے عُرفا کے حالات پر بھی روشنی ڈالتا ہے ۔عام طور پر ہر مقدمہ تین حصوں پر مشتمل ہے :

اول: کتاب کے بارے میں : مثلاً: ڈاکٹر صاحب اسرار نامہ اور منطق الطیر کے مقدموں میں مختصراً اصل داستان نقل کرتے ہیں ۔

دوم: کتاب کے موضوعات کا تاریخی پس منظر: ڈاکٹر صاحب اسرار نامہ اور منطق الطیر میں عالمی ادب (فارسی، عربی اور ایطالی) میں تمثیلی سفر اور پرندوں کا سفر لکھنے کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں ۔اس طرح ہر موضوع کی گہرائی میں جاتے ہوئے ہر ایک کا تاریخی سفر قارئین کو دکھاتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری (عطّار کے عہد) تک ہر بحث میں کون کون سی تبدیلیاں ہوئی تھیں؟ چناں چہ ڈاکٹر صاحب کے مقدموں میں لسانی ، اسلوبیاتی ، کلامی ، فقہی ، تنقیدی اور موسیقی سے متعلّق مباحث شامل ہیں ۔

سوم: تصحیح کا طریقۂ کار: ڈاکٹر صاحب نے 'منطق الطیر' کے مقدمے میں عطّار کی تالیفات کے طریقۂ تصحیح کی وضاحت کی ہے: ''سب سے پہلے ایک علیٰحدہ فہرست بنائی ،جس میں عطّار کے مستعمل الفاظ شامل کیے ۔(اس سے مُراد ثقیل اور مشکل الفاظ نہیں ہیں ۔ ایسے الفاظ کی تشریح تو لغات میں ملتی ہیں ۔اس سے مراد افعال اور حروفِ اضافت ہیں ۔)عطّار کی تالیفات میں ایک ہی فعل مختلف حروفِ اضافت کے ساتھ الگ الگ معنیٰ رکھتا ہے ۔مثلاً: آمَدَن ،سَرآمَدَ ن، بہ سَرآمَدَ ن، دَرسَرآمَدَ ن، بَرسَرآمَدَ ن۔ اس کے بعد مُعتبر نسخوں کا تذکرہ کیا، پھر ان میں قدامت ،صحت اور اصالت کی بنیاد پر کسی نسخہ کو نسخۂ اساس قرار دیا۔(منطق الطیر ،مقدمہ ،ص ۳۲۸)

۴۔ تعلیقات :ڈاکٹر صاحب کی تعلیقات کو ایک حوالہ جاتی کتابچہ کہا جا سکتا ہے ،جن میں اشخاص اور مقامات کے نام، الفاظ وعبارات کی توضیح ،آیات، احادیث اور عربی مقولات کا ترجمہ ملتا ہے ۔ان کا کمال یہ ہے کہ اپنی تعلیقات میں وہ ایسے متون کا حوالہ دیتے ہیں جو عطّار کے زیرِ مطالعہ رہے تھے، یا زمانی تقدّم کی بنا پر غالباً عطّار نے ان سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ اس طرح وہ جامع اور مختصر انداز میں قارئین کو ایک طرح کا تاریخی تسلسل دکھاتے ہیں ۔ وہ قرآنی آیات کا اپنی طرف سے ترجمہ نہیں کرتے ، بلکہ قرآن کے قدیم ترین فارسی ترجموں کا حوالہ دیتے ہیں، مثلاً قصص الانبیاء (ابو اسحاق نیشابوری، پانچویں صدی ہجری)، تفسیر سورآبادی (ابوبکر عتیق نیشابوری مشہور بہ سورآبادی، پانچویں صدی ہجری)،تاج التراجم فی تفسیر القرآن للاعاجم (شاہفور بن طاہر اسفراینی، پانچویں صدی ہجری)، تاریخ نیشابور (ابوعبداللہ الحاکم نیشابوری ،چوتھی صدی ہجری) ، الفُصول (عبدالوھاب بن محمد، جو علمائے فرقہ کرّامیہ میں سے ہیں اور ان کا زمانہ چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل کا ہے۔)، الشواھد والأمثال (ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم قُشیری ،م ۵۱۴ھ)

'منطق الطیر' کی تعلیقات میں' قلندر' کے ذیل میں ساڑھے چار صفحات میں اس صوفیانہ اصطلاح کی توضیح کرتے ہیں۔(ایضاً،ص ۷۱۸)اور' پروانہ اور شمع' کی تمثیل کے

پس منظر کو تاریخی تسلسل میں انہی تالیفات میں واضح کرتے ہیں : طواسین (تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان، مؤلف :حلّاج)،تاج القصص (۴۷۵ ھ،مؤلف: ابونصر احمد بن محمد بخارائی) ، روضۃ الفریقین (پانچویں صدی ہجری ،مؤلف:ابوالرّ جاء خمر کی چاچی)،رَوح الارواح (۵۰۰ ھ کے ماقبل۔ ابوالقاسم احمد منصور سمعانی)،سوانح العشاق (پانچویں صدی ہجری،مؤلف :احمد غزالی)،حیات الحیوان الکبریٰ (مؤلف: کمال الدین محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ دمیری م ۸۰۲ھ)،نیز'پروانہ اور شمع' کی تمثیل کے بارے میں عربی ادب میں معاصر تحقیقات میں محمد منصور اباحسین (ریاض یونی ورسٹی) کے مضمون کا حوالہ دیتے ہیں ۔ نیز تعلیقات کے بعد حسبِ ضرورت کتاب، فہرستِ امثال (امثال کا اشاریہ)، فرہنگِ لغات وتعبیرات،قافیہ اور کشف الابیات (ابیات کے مصرع اول ،حروف تہجی کی ترتیب سے) شامل ہے۔

آئندہ سطور میں ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی مذکورہ تصحیحات کا تعارف کرایا جائے گا:

ا۔منطق الطیر

کچھ پرندے ہُدہُد کی راہ نمائی میں سیمرغ کی تلاش میں نکل جاتے ہیں ۔ بہت سی سختیاں اور مشقّتیں جھیل کر آخر میں سی مُرغ (تیس پرندے) سیمرغ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں ۔جب وہ سیمرغ کو دیکھتے ہیں تو انھیں اس میں اور اپنے میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ یہ پرندے سات وادیاں عبور کر لیتے ہیں : طلب، عشق، مَعرفت ، اِستغناء ،توحید،حیرت ، فَنا۔ڈاکٹر صاحب کے بہ قول: ''دُنیائے اسلام کی عرفانی نظموں میں کوئی بھی منظومہ 'منطق الطیر' کا ہم پایہ نہیں ۔اس میں پرندوں کے سفر کی عمدہ منظر کشی کی ہے،حق تعالیٰ اور بندوں کے تعلقات بیان کرتے ہوئے سیر و سلوک کی رکاوٹیں اور سختیاں توصیف کرتے ہیں۔'' (تصحیح منطق الطیر ،مقدمہ، شفیعی کدکنی ص ۳۴) محمد افضل سرخوش (م ۱۱۲۶ھ) نے کلمات الشعراء میں منطق الطیر کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: (ایضاً،ص ۱۰۹)

'سی مُرغ' زشوق، بال وپَر بگشودَند

دَر جُستَنِ سیمُرغ، ہوا پیمودَند
کردند شمارِ خویش چون آخِرِ کار
دیدَند کہ 'سیمُرغ' ہم این ہا بودند
(سی مُرغ (تیس پرندوں) نے بڑے شوق سے سیمُرغ کی تلاش میں
آسمان کا سفر کیا۔ آخر میں جب بچے پرندوں کی تعداد معلوم ہوئی تو
سیمُرغ وہی تھے)

ڈاکٹر صاحب اپنے مبسوط مقدمہ میں عطّار کی شخصیت اور 'منطق الطیر' کے مختلف پہلوؤں کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ وہ عطّار کے سوانحی حیات اور تالیفات پر بحث کرتے ہیں۔ برسوں کی عرق ریزی اور مختلف قدیم نسخے پڑھنے کے بعد وہ یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ عطارؒ کی مسلّم شدہ تالیفات یہ ہیں: دیوانِ عطّار، مُختار نامہ، جس میں رُباعیات شامل ہیں، اَسرار نامہ، مَقاماتِ طُیور = مَنطق الطّیر، خُسرو نامہ = الٰہی نامہ، مُصیبَت نامہ، تذکرۃ الاولیاء۔ وہ مستند دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں کہ حسب ذیل کتابیں قطعی طور پر عطّار کی نہیں ہیں، بلکہ غلط طور پر انھیں اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے: بُلبُل نامہ، بیسَر نامہ، پِسر نامہ، حیدری نامہ، پَند نامہ، جوہر الذّات، حلّاج نامہ، سیاہ نامہ، اُشتُر نامہ، لسان الغیب، مَظہر الذّات، معراج نامہ، مِفتاح الفُتوح، نُزہت نامہ، وَصلَت نامہ، ہیلاج نامہ، گُل وہُرمُز (ایضاً، ص ۳۳) ڈاکٹر صاحب کی رائے میں کچھ غلطیاں دانستہ طور پر ہوئی ہیں اور کچھ نادانستہ۔ دانستہ طور پر بعض لوگ عطّار کی شہرت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تالیفات ان کے نام سے شائع کرواتے تھے اور بعض افراد نادانستہ طور پر بعض تصانیف پر کسی عطّار کا نام دیکھ کر اسے مشہور عارف عطّار گمان کر لیتے تھے: "اسلامی ایرانی تہذیب میں عطّار سب سے رائج لقب ہوا کرتا تھا۔ عطّار کا پیشہ (خواہ پنساری ہو یا ادویہ فروش) دیہاتی اور شہری معاشرے کا جزوِ معمول رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ظاہری بات ہے کہ ہر صدی میں سینکڑوں ایسے لوگ تھے جن کا پیشہ عطّاری ہوا کرتا تھا اور ان میں سے بعض اصحابِ علم و ذوق ہوا کرتے تھے اور انہی میں کچھ شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔" (ایضاً، ص ۷۹) ڈاکٹر شفیعی کدکنی اپنے مقدمے میں ۲۴؍ ایسے

شاعروں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نام یا لقب یا تخلص عطّار ہوا کرتا تھا: ''تاریخ قُم کی روایت کے مطابق، رودکی کے دور میں ایک عطّار شاعری کرتا تھا، جس کا کوئی شعر باقی نہیں رہا ہے۔ اسے رودکی کے مقابلے میں بَرتَر مانا جاتا تھا اور عرب کے امرئ القیس کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔'' (ایضاً، ص ۸۱) ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ نویں صدی ہجری کے بعد فارسی شاعری میں اور زیادہ عطّار ملتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۸۷)

مذکورہ مقدمہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

عطّار کا تاریخی پس منظر، عطّار کی تالیفات، عطّار کی شاعری کا سرچشمہ، سنائی سے عطّار تک، عطّار کی غزلیں، تذکرہ دولت شاہ میں عطّار کا ذکر، خواجہ نصیر الدین طوسی اور عطّار، نسب نامہ معنوی عطّار، عطّار کا ایک اور مطالعہ، فارسی شاعری میں عطّار کے تخلّص اور القاب، بوطیقائے عطّار، فارسی شاعری میں عطّار کا مقام۔ عطّار کے حالات اور اس کی تالیفات پر بحث کے بعد وہ 'منطق الطیر' کا خصوصی مطالعہ پیش کرتے ہیں اور اس حوالے سے تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب عطّار کی شاعری کے سرچشمہ پر بات کرتے ہیں اور فارسی شاعری میں ان کا نمایاں مقام اجاگر کرتے ہیں: ''عطّار کی غزلیں فارسی کی عرفانی غزلوں کی تکمیل ہیں۔ (وہ غزلیں جو ابن عربی کے زیرِ اثر رہی ہیں) ایسی غزلیں، جن کا عروج ہمیں دیوانِ شمس میں ملتا ہے۔'' (مقدمہ، ص ۴۷) ''عطّار کی غزلوں کا سب سے اہم نکتہ ہیئت اور معنیٰ کی وحدت ہے۔ ایک شعری تجربہ تسلسل وار بیان کیا جاتا رہتا ہے۔ عطّار غزل کا مطلع کہتا ہے اور اسی راستے پر چلتا رہتا ہے اور دائرہ وار جہاں سے بات کا آغاز کیا تھا وہاں پر اس کا اختتام کرتا ہے۔ اس کی مثالیں عطّار کی قلندری غزلوں میں کثرت سے ملتی ہیں، جہاں ایک عارف کی اندرونی تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔'' (ایضاً، ص ۴۷) ''عطّار کی غزلوں میں صورت و معنیٰ کا تناسب بہ درجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ 'صورت' سے مُراد زبان، تصویر، رَمز (علامت)، موسیقی، شعری ہیئت اور 'معنیٰ' سے مُراد مضمون اور ابلاغ ہے۔'' (ایضاً، ص ۴۹۔ ۵۰)

سنائی اور عطّار کے زمانی فاصلے کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب دیگر عارف شعرا (شگر (عطّار کے استاد)، مجد الدین بغدادی، شمس الدین محمد بن طغان کرمانی، صفی الدین یزدی) کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عرفانی شاعری پر بحث کرتے ہیں۔

وہ 'بوطیقائے عطّار' کے ذیل میں اس باریک نکتہ کی نشان دہی کرتے ہیں کہ کیوں اور کس طرح مختلف زمانوں میں مختلف کاتب عطّار کے اشعار کو اپنے سلیقہ کے مطابق تبدیل کرتے رہتے تھے: ''عطّار کی تالیفات میں سے 'منطق الطیر' کے مخطوطات سب سے زیادہ ہیں۔ دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں اس کے ۵۰۰ر نسخے محفوظ ہیں۔متن شناسی کے پہلو سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے،سوائے اس کے کہ ہر ایک کی مستقل کتابت، نقّاشی، جلد سازی اور تذہیب ہے۔'' (ایضاً،ص ۲۰۹) ''عطّار کے دور تک فارسی شاعری پُختہ ہو چکی تھی،لیکن عطّار کی نظموں میں کہیں کہیں شعری عروض کی پابندی نہیں ملتی اور انھوں نے شعری عروض کے ترم سے ہٹ کر بعض اشعار لکھے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ عطّار الفاظ کے مقامی تلفّظ کو مدّنظر رکھتے تھے نہ کہ رسمی تلفّظ کو۔'' (ایضاً،ص ۸۸) ''مصیبت نامہ کے اس شعر میں گرِفتن (رسمی تلفّظ) ہے،جب کہ گرُفتن مقامی تلفّظ اور عطّار کے مطابق'' (ایضاً،ص ۹۲)

این سُخن نقل اَست زاسکندر که گُفت
ہرچه گیری مُعتدل بایَد گرُفت

'الٰہی نامہ' کے حسبِ ذیل شعر میں عطّار نے یقیناً 'شِر' (مقامی) تلفّظ کیا ہوگا۔آج کل کے کدکن اور نیشابور میں بھی 'شِر' کا تلفّظ رائج ہے۔'' (ایضاً،ص ۹۲):

من که نه من مانده ام نه غیر من
بَرتر است از عقل،خیر و شر من

''ان قدیم نسخوں میں نسخۂ مراغی، شمارہ ۲۳۴، نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی اور نسخۂ ایطالی میں یہ شعر بالکل اسی طرح ہے،لیکن ایک جدید نسخہ (جس کی تاریخِ کتابت ۷۰۵ھ ہے)، اس میں کاتب نے اس طرح بدل دیا ہے:

بَرتَر اَست اَز عقل و حیرت، سیرِ من " (ایضاً، ص ۹۷)

"عطّار کی بعض نظموں کے قافیوں میں صامتِ ساکن یا متحرک مصوّت شامل ہے۔ درج ذیل شعر میں تمام قدیم نسخوں میں شُسُت کتابت کی گئی ہے، جب کہ جدید نسخوں میں 'شُستہ بود' ہے:

شیخ را دَر کعبه یاری چُسُت بود

دَر ارادَت دَست اَز کُل شُسُت بود " (ایضاً، ص ۸۹-۹۰)

"درج ذیل شعر میں تمام قدیم نسخوں میں بُگذَشت کتابت کی گئی ہے، جب کہ جدید نسخوں میں بُگذَشتُ زود یا بُگذَشتہ بود ہے:

خانه او دَر میانِ دَشتُ بود

ناگہی موسی بَرو بُگذَشتہ بود " (ایضاً، ص ۸۹)

"عطّار کی بعض نظموں کے قافیوں میں تین یا چار ساکن ساتھ ہیں۔" (ایضاً، ص ۹۲)

بُزُرگانی که دین مقصود ایشانُسُت

زیانِ کارِ دُنیا سودِ ایشانُسُت

"دوسری عبارت میں کاتب وزنِ عروضی کو متوازن کرنے کے لیے ایسے اَبیات کے قافیہ اور رَدیف تبدیل کرتے تھے۔ عطّار کی بعض نظموں کے قافیہ میں اسم اور فعل ساتھ ساتھ لایا جاتا ہے۔" (ایضاً، ص ۹۱) 'منطق الطیر' کا ایک شعر:

مردِ گنجی دید گنجی اختیار

سر بُریدَن بایدت اختیار

"جغرافیائی زبان (لہجہ) کی بنا پر عطّار دال / ذال کا قافیہ ملحوظ کرتے تھے۔ 'مصیبت نامہ' کا ایک شعر:

یک شبی می گُفت یحیی بن المعاد

گر مَرا بَخشَند دوزخ دَر معاد

[مُراد: یحیی معاذ رازی]" (ایضاً، ص ۹۱)

’’عطّار کے شعروں میں عروضی وزن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ خواندَن ، راندَن اور ایسے الفاظ ،عروضی وزن ’فاعِلن‘ تلفّظ کیا جاتا تھا، جب کہ آج کل کی فارسی میں عروضی وزن ’فَع لُن‘ رائج ہے‘‘ (ایضاً،ص ۹۵)

نکته‌ای کز ہیچ کس نَشنیده‌ای
بَر کسی نه خوانَدی نه دیده‌ای

’’قدیم نسخوں میں بالکل اسی طرح کتابت کی گئی ہے،لیکن جدید نسخوں میں نہ خوانده‌ای ہے۔‘‘(ایضاً)

’’آج کل ہم مَنِشیں تلفظّ کرتے ہیں، جب کہ عطّار کے شعروں میں اسے کھینچ کر کے پڑھنا ہے۔‘‘منطق الطیر کا ایک شعر:

قَصدِ تو دارَند بُگریز و بُرو
بَر دَرَم مَنشین بَرخیز و بُرو (ایضاً،ص۹۶)

’’جدید نسخوں میں کاتبوں نے متداول وزنِ عروضی کو برقرار رکھنے کے لیے ’و‘یا ’تو‘ کا اضافہ کیاہے:

بَر دَرَم مَنشین و بَرخیز و بُرو (ایضاً)

’’یہاں تک کہ عطّار نے عربی الفاظ کو بھی ساکن کر کے تلفّظ کیا ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل شعر میں اُفصح الفُصَحاء کو اَفصح الفُصحاء پڑھنا ہے:

بود او ہم دَر عَ□رَب ہم دَر عَجَم
أفصح الفُصحاء فی کل الأمم (ایضاً،ص۹۹)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پرندوں کا تمثیلی سفر بیان کیا ہے۔وہ پرندوں کے تمثیلی سفر کا پس منظر دکھاتے ہیں کہ منطق الطیر کی تالیف سے پہلے سنائی اور خاقانی نے ایسا منظر نامہ لکھا تھا۔سنائی (۴۶۷۔۵۲۹ ہجری) کا ایک قصیدہ ہے،جس کا مطلع یہ ہے:

آراست دگربارہ جہان دار جہان را
چون خُلد بریں کرد زمین را و زمین را

وہ موسمِ بہار کی توصیف کے بعد کچھ پرندوں کا سفر بیان کرتے ہیں۔ اس

کی تقلید میں خاقانی (۵۲۰-۵۹۱ھ) نے ایک قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

زَدنفَس سربہ مِہر صبحِ ملمّع آفتاب
خیمہ روحانیان کرد معنبر طناب

ڈاکٹر صاحب مختلف تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں، مثلاً ابن سینا (۳۷۰-۴۲۸ھ) کا رسالہ الطیر، شہاب الدین سہروردی کا رسالہ الطیر، احمد غزالی (م ۵۲۰ھ) کی داستانِ مُرغان بہ روایتِ ابو الرّجاء چاچی (م ۵۱۶ھ)۔ عطّار کے بعد عزالدین مَقدسی نے عربی میں **كشف الأسرار من حِكم الطيور و الأزهار** تالیف کی۔ ڈاکٹر صاحب سیمُرغ کی تاریخی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے تاریخی کتب کے علاوہ جانور شناسی کی کتابوں کا سراغ لگاتے ہیں۔ چنانچہ اَوِستا، شاہ نامہ فردوسی، علائی کی نُزہت نامہ، بحر الفوائد (چھٹی صدی ہجری) اور عین القُضاۃ (۴۹۲-۵۲۵ھ)، سُہرودری (۵۴۹-۵۸۷ھ) اور نجم الدین رازی (۵۷۳-۶۵۴ھ) کی تالیفات میں سیمُرغ کے ذکر کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ شیخ صَنعان کی حکایت کے تاریخی پس منظر میں مختلف قدیم کتابوں کا سراغ لگاتے ہیں، مثلاً عبدالرزاق صنعانی کی تحفۃ الملوک، ابو عبداللہ اندُلسی کی داستان، شیخ صَنعان کی محلِ دَفن، راقد اللیل کی داستان، ولی خانقاہِ سمرقند کی داستان، موذّن بَلخ کی داستان وغیرہ۔ نیز اس سلسلے میں ایران کے دوسرے اسکالرز: مُجتبیٰ مینَوی، بدیع الزمان فُروزان فَر اور عبدالحسین زرّین کوب کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔ ۴

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور قونیہ موزیم کے نسخۂ مراغی (شمارہ ۳۴۷) کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے:

ایران میں دست یاب نسخے: نسخہ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، نسخہ دار المثنوی، تاریخ کتابت ۸۱۱ھ، نسخہ دانش گاہِ تہران، تاریخِ کتابت آٹھویں صدی ہجری، نسخہ دائرۃ المعارفِ بُزرگِ اسلامی، تاریخ کتابت ۷۰۵ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، نسخہ آستان قُدس رضوی، تاریخ کتابت ۸۹۷ھ اور ۹۱۱ھ کے درمیان۔

ترکی میں دست یاب نسخہ: نسخۂ مراغی کا دوسرا اشارہ۔
نیز کتب خانہ سلطنتی ٹورینو کا ایک نسخہ اور مولانا میوزیم کا ایک نسخہ (تاریخ کتابت ۸۷۳ھ، بہ خطِ بُخاری)

۲۔الٰہی نامہ

عطّار اس مثنوی میں ایک بادشاہ کی داستان بیان کرتے ہیں، جس کے چھ بیٹے ہیں ۔ ہر ایک بیٹے کا ایسا بڑا خواب ہے جس کا پورا ہونا ناممکن ہے ۔ پہلے بیٹے کا خواب: شاہ پَریان کی بیٹی سے شادی کرنا، دوسرے بیٹے کا خواب: سحر اور جادو سیکھنا، تیسرے بیٹے کا خواب : جامِ جم پانا، چوتھے بیٹے کا خواب : آبِ حیات حاصل کرنا، پانچواں بیٹے کا خواب: حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی پانا اور چھٹے بیٹے کا خواب : کیمیا حاصل کرنا۔ بادشاہ اپنے ہر بیٹے کو اس خواب کی حقیقت بتاتے ہوئے اس کی تحقیر کرتا ہے ۔عطّار اس مثنوی میں یہ پیغام دیتے ہیں کہ جس چیز کی طلب میں ہو، وہ تمہارے ہی اندر موجود ہے۔''

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور تہران کے نسخۂ کتاب خانہ کاخ گُلستان کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔(بہ خط: ابوبکر بن علی بن محمد اَسفراینی معروف بہ باکان۔تاریخ کتابت ۷۳۱ھ)

ایران کے دست یاب نسخے : نسخۂ کتاب خانہ مرکزِ دائرۃ المعارفِ بُزرگِ اسلامی ، تاریخ کتابت ۸۷۳ھ، کتاب خانہ مَلِک کے دو نسخے ،نسخہ عارف حکمت ،تاریخ کتابت ۸۵۹ ھ، نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مَرعَشی ،تاریخ کتابت ۷۸۳ ھ،نسخہ کتاب خانہ مِلّی تبریز۔تاریخ کتابت اندازاً ۸۸۵ھ۔

ترکی کے دست یاب نسخے : نسخۂ ایا صوفیا، تاریخ کتابت ۸۱۶ھ،نسخہ کتب خانہ فاتح، تاریخ کتابت ۷۲۹ھ،نسخہ کتب خانہ سلطان محمد فاتح،تاریخ کتابت ۸۶۳ ھ،مجموعہ اونی ورسٹیہ ۔

نیز: نسخۂ برٹش میوزیم، تاریخ کتابت ۸۱۳ھ، نسخہ دارالکتب قاہرہ، نسخہ انڈیا آفس، تاریخ کتابت ۸۰۷ھ۔

۳۔ مصیبت نامہ

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی رائے میں ''غالباً یہ عطّار کی آخری تالیف ہوگی۔'' (مقدمہ منطق الطیر، ص ۳۵) عطار اس تمثیلی مثنوی میں ایک سالک فکرت کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ سالکِ فکرت جو، اس نظم کا ہیرو ہے، اس کے پاس ایک معرفتی مسئلہ ہے، جس کے حل کے لیے وہ کائنات کی ہر شے سے رجوع کرتا ہے: پہلے مقالے میں جبرئیل، دوسرے میں اسرافیل، تیسرے میں میکائیل، چوتھے میں عزرائیل، پانچویں میں عرش کا حامل فرشتہ، چھٹے مقالے میں عَرش، ساتویں مقالے میں کُرسی، آٹھویں مقالے میں لوحِ محفوظ، نویں مقالے میں قلَم، دسویں مقالے میں جنّت، گیارھویں مقالے میں دوزخ، بارہویں مقالے میں آسماں، تیرہویں مقالے میں سورج، چودہویں مقالے میں چاند، پندرہویں مقالے میں آگ، سولہویں مقالے میں ہوا، سترہویں مقالے میں پانی، اٹھارویں مقالے میں مٹی، انیسویں مقالے میں پہاڑ، بیسویں مقالے میں دریا، اکیسویں مقالے میں جماد، بائیسویں مقالے میں نَبات، تیئیسویں مقالے میں وُحوش، چوبیسویں مقالے میں پرندے، پچیسویں مقالے میں جانور، چھبیسویں مقالے میں جن، ستائیسویں مقالے میں آدمی، اٹھائیسویں مقالے میں آدمؑ، انتیسویں مقالے میں نوحؑ، تیسویں مقالے میں ابراہیم خلیل اللہؑ، اکتیسویں مقالے میں موسیٰؑ، بتیسویں مقالے میں داوٗدؑ، تینتیسویں مقالے میں عیسیٰؑ، چونتیسویں مقالے میں حضرت محمد مصطفی ﷺ، پینتیسویں مقالے میں حِس، چھتیسویں مقالے میں خیال، سینتیسویں مقالے میں عقل، اڑتیسویں مقالے میں دل، انتالیسویں مقالے میں روح۔ ان میں سے ہر ایک سے وہ حل اور مدد طلب کرتا ہے لیکن سب کے سب اظہارِ عجز کرتے ہیں۔ ہر ایک سے گفتگو کرنے کے بعد وہ مایوس

ہو کر اپنے پیر کے پاس لوٹ جاتا ہے ۔ پیر چند ہی جملوں میں اس شے یا شخص کی مجبوری کی وضاحت کرتا ہے ۔آخر کار سالک ِفکرت اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ بے کار جستجو میں لگا ہوا تھا۔اس نے جس چیز کی تلاش میں اپنی بھر پور طاقت اور قیمتی عمر گنوادی وہ اسی کی ذات کے اندر موجود تھی ۔ جب اسے معلوم ہوگیا کہ سب چیز خود سے طلب کرنا ہے تو وہ اپنی جان سے پوچھتا ہے :''تم سبھی چیزوں کی اصل ہو، پھر تم نے مجھے اتنی مصیبت اور مشقّت میں کیوں ڈالا ؟ پوری کائنات کا سفر کیوں کروایا؟'' جان یوں جواب دیتی ہے :'' اس لیے کہ میری قدر کرو۔'' (ایضاً،ص۳۶)

اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر شفیعی کدکنی رقم طراز ہیں:

''چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے میں عطّار اور ان کی تالیفات کی جُستجو اور ان کا مطالعہ کرتا رہا ہوں ۔ چنانچہ بڑے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ 'منطق الطیر' کے بعد 'مصیبت نامہ' عطار کے شاہ کاروں میں سے ہے ۔ 'منطق الطیر' میں پرندوں کے سفر کی منظر نگاری انتہائی پُختگی پر ہے۔'مصیبت نامہ' ایک گہرا عرفانی فن پارہ ہے، جس میں عطّار کی اعلیٰ ذہانت اور نایاب عرفانی تجربے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ روحانی تجربات ان کی دوسری تصانیف میں اس گہرائی اور وسعت کے ساتھ نہیں ملتے ۔اس کتاب میں جہاں ان کی معرفت ملتی ہے وہیں اس میں معاشرتی زندگی کی بہترین عکاسی بھی موجود ہے ۔ فارسی ادب کی نظموں میں یہ ایک بے مثال نظم ہے، جس میں دیہاتی اور شہری زندگی کے مختلف پہلو اور معاشرے کے لوگوں کے دُکھ سُکھ کی توصیف کی گئی ہے ۔ اس میں ایسے دیوانوں اور مجذوبوں کی حکایتیں بیان کی گئی ہیں جنھوں نے معاشرے کے ٹیبو (taboo=ممانعت) پر تنقید کی ہے ۔ایسی مثالیں عالمی ادب میں کم یاب اور اسلامی ادب میں نایاب ہیں ۔'' (ایضاً،ص۲۹)

ڈاکٹر صاحب کے مبسوط مقدمہ میں یہ ذیلی موضوعات شامل ہیں: روحانی سفر کا پس منظر، مذاہب میں معراج اور حضور ﷺ کا سفرِ معراج، اردو اویر نامہ، جس

میں دانتے کی کتاب کا مختصر تجزیہ شامل ہے۔ انہوں نے 'عُرفا کے روحانی سفر' کے ذیل میں کچھ نمایاں متون کا موازنہ کیا ہے: بایزید بسطامی کے بعض روحانی سفر (تجربات) کے متن، مُحی الدین ابن عربی کی کتاب: **الاسراء الی مقام الأسریٰ** (۵۹۴ھ)، سنائی غزنوی کی **سیر العباد الی المعاد**، شمس الدین بَردسیری کرمان کی مِصباح الاَرواح، نجم الدین کُبریٰ کی آداب السلوک الی حضرۃ مالک المُلک وملِک الملوک اور ابوالفتح یحییٰ بن بہاء الجوینی کی تالیف، جو ساتویں صدی ہجری کی ہے۔ اس سلسلے میں عربی میں ابوالعلا مُعرّی (۳۶۳۔ ۴۴۹ھ) کی الغُفران پر بھی بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور نسخۂ مراغی کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔ (بہ خط ابراہیم بن عوض مراغی، تاریخ کتابت ساتویں صدی ہجری کا آخر)

ایران میں دست یاب نسخے: دوسرا نسخۂ مراغی، نسخہ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، تاریخِ کتابت ۷۳۱ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، تاریخِ کتابت ۸۸۵ھ، نسخہ آستان قُدس رضوی، تاریخِ کتابت: ۸۹۷ھ اور ۹۱۱ھ کے درمیان، نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مَرعَشی، تاریخ کتابت ۷۸۳ھ۔

ترکی میں دست یاب نسخے: نسخہ کتب خانہ نافذ پاشا، تاریخِ کتابت ۷۴۰ھ، مجموعہ اونی ورسٹیہ، تاریخِ کتابت ۸۱۵ھ، نسخہ عاطف افندی، تاریخ کتابت: ۸۲۸ھ۔

۴۔ اَسرارنامہ

یہ عطّار کی منظوم تالیف ہے۔ اس کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی نعت اور خلفائے راشدین کی منقبت ہے۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بہ قول: ''اَسرارنامہ غالباً عطّار کی پہلی یا دوسری نظم ہوگی۔ تذکرہ نویسوں کی رائے کے مطابق جب مولوی اپنے والد کے ساتھ نیشابور سے گزر رہے تھے تب عطّار نے یہ نظم مولوی کو ہدیۃً پیش کی تھی۔'' (مقدمہ اَسرارنامہ، ص ۱۵)

یہ کتاب اٹھارہ مقالات پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ : انسان کی تحسین ،دوسرا مقالہ : عشق کی تحسین ، تیسرا مقالہ : انسان اور امانتِ الٰہی ، چوتھا مقالہ : جنّت کی حقیقت اور اس سے بہتر اللہ تعالیٰ کا دیدار ، پانچواں مقالہ : انسان کا اصل جوہر، چھٹا مقالہ : اِس جہاں اور اُس جہاں کا ارتباط ، ساتواں مقالہ : دریائے غیب کا ادارک عقل سے میسر نہیں، آٹھواں مقالہ: دُنیوی رنج و الم کے بعد اُخروی خوشیوں کا حصول ،نواں مقالہ :انسان غفلت میں ہے اور اسے دین اور دُنیا کی تمیز نہیں ،دسواں مقالہ: کسی کو اللہ تعالی کے اَسرار و رُموز کا علم نہیں، گیارہواں مقالہ:موت عُرفا کی نگاہ میں، بارہواں مقالہ : موت اور آخرت کی بحث، تیرھواں مقالہ : موت ایک حقیقت ہے اور ہمیں اسی مٹی میں جانا ہے، چودھواں مقالہ : انسانی غفلتیں ، پندرھواں مقالہ : بڑھاپا اور لالچ ،سولہواں مقالہ : انسانی ضرورتیں ریت کی طرح ہیں ، جو آہستہ آہستہ پہاڑ بن کر انسان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں،سترہواں مقالہ : سحر میں مناجات، اٹھارہواں مقالہ : نصیحتیں۔ عطّار ہر مقالہ میں کسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے حکایات نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی رائے میں ’’ غالباً عطّار نے ان مقالات کا عنوان نہیں دیا ہوگا۔ یہ کام کاتبوں کا ہوگا۔ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق ہر مقالہ کا نام رکھ دیا ہے۔ عطّار کے زمانے کے بعد، مختلف کاتب اصل متن میں تصرّف کرتے تھے اور مقالات کے عنوان بھی تبدیل کر دیتے تھے۔‘‘ (ایضاً، ص ۶۴)

اس تصحیح کے مقدّمے میں یہ مباحث شامل ہیں:

عطّار کی عرفانی الٰہیّات ،نورِ محمدیؐ کی ازلیّت ،صحابۂ کرام کی منقبت اور تعصّب کی مذمّت، انسان کی تحسین، عقل اور عشق، کائنات میں عشق کی روانی ،حرکتِ جوہری (ڈیالیٹکیٹیکس)، انسان اور امانتِ الٰہی، دل اور جسم کا تعلق، جنّت اور دوزخ کی حقیقت، ایک طریقہ عقل کے اوپر، علّیّتِ فلسفی کی تنقید، جنّت سے اعلیٰ ،موت کی حقیقت، حقیقی معرفت ناممکن ہے، جنّت اور دوزخ تم ہی ہو، علم اور پارسائی (تقویٰ) کا لازم و ملزوم

ہونا، درد کا مفہوم عطّار کی نظر میں، دریائے غیب کے کنارے، خود سے مرنا، انسان اور اپنی پہچان، وجود اور عَدَم، اسے، اسی سے پہچاننی چاہیے، انسان کی فطرت اور عہدِ اَلَست، عشق تو تا لیترہ اور تمام خواہ ہے، انسان اور کائنات، زندگی اور موت کا لازم ملزوم ہونا، خیّام اور خلقتِ جہان، انسان، مٹّی اور دنیا کے چند روز، انسان اور بوڑھاپن، لالچ کے نقصانات، سحر کے وقت جاگنے کی تحسین، نصیحتیں، عطّار کی شاعری۔

ڈاکٹر صاحب 'عطّار کی عرفانی الٰہیّات' کے ذیل میں سنائی کے 'حدیقۃ الحقیقۃ' کے خطبۂ توحید اور عطّار کے آغازِ کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے ان دو بُزرگوں کی توحیدی نگاہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''سنائی کی زبان ایک متکلّم (علمِ کلام کا ماہر) کی ہے، جب کہ عطّار کی زبان احساسات کی ہے۔ سنائی استدلال سے توحید کی بات کرتے ہیں، جب کہ عطّار کائنات کے ایک ایک ذرّہ پر تامل کرتے ہوئے ہمیں باری تعالٰی کی پہچان کراتے ہیں۔'' (ایضاً، ص ۲۱)

'انسان کی تحسین' کے ذیل میں: ''عطّار کی بات یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے سفر میں ہے، ایک روحانی اور تکمیلی سفر۔ وہ ایک پتّے کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح ایک عام پتّا ریشمی اور قیمتی کپڑے میں بدل جاتا ہے۔ انسان کو بھی یہ سفر طے کرنا ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۷) ''عطّار علم اور درد کی ہم راہی کو لازمی سمجھتا ہے۔ ان کے خیال میں جو صاحبِ درد ہوگا اس کا علم الیقین عین الیقین میں بدل جائے گا۔ عطّار کی رائے میں درد سے مُراد شوق اور تڑپ ہے، روحانی امور کی دریافت کی کیفیت ہے۔'' (ایضاً، ص ۴۲)

ڈاکٹر صاحب ٹھوس دلائل سے یہ ثبوت پیش کرتے ہیں: ''اس کتاب کے آخری مقالے میں کچھ نصیحتیں ۱۱۰/اشعار پر مشتمل ہیں۔ ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پند نامہ یہی اٹھارہواں مقالہ ہے، جسے صدیوں تک غلطی سے عطّار کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور مدارس میں نصابی کتب کے طور پر پڑھایا گیا ہے۔ پند نامہ کے نسخوں کی تعداد 'منطق الطیر' کے نسخوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔'' (ایضاً، ص ۵۹)

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا

ہے اور قونیہ میوزیم کے نسخۂ مراغی کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔ (بہ خط ابراہیم بن عوض مراغی، تاریخِ کتابت: ساتویں صدی ہجری کا آخر)

ایران میں دست یاب نسخے: نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، کلیاتِ عطّار نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مَرعَشی، تاریخ کتابت ۷۷۴ ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، تاریخ کتابت ۸۸۵ ھ، کتاب خانہ آستان قُدس رضوی، تاریخِ کتابت ۸۹۷ھ اور ۹۱۱ ھ کے درمیان۔

ترکی میں دست یاب نسخے: دوسرا نسخۂ مراغی، نسخہ حالت افندی مُلحقی، نسخہ افندی، تاریخِ کتابت ۸۱۵ھ، نسخہ عاطف افندی، تاریخ کتابت ۸۲۸ ھ، نسخہ مجموعہ اونی ورسٹیہ، تاریخ کتابت: ۸۲۶ ھ۔

۵۔مُختار نامہ

یہ عطّار کی رُباعیات کا مجموعہ ہے، جس میں نثر میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ یہ رباعیات حسبِ موضوع پچاس (۵۰) ابواب میں تقسیم کی گئی ہیں: توحید، فَنا، حیرت، روح، خموشی، ہمّت، ترکِ دُنیا، موت، نومیدی، امید، شوق، عاشق اور معشوق کی صفات، پھول، صبح، پروانہ، شمع وغیرہ۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بہ قول: ''یہ عطّار کی عمر کے آخری زمانے کی تالیف ہے اور غالباً عطّار پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی رُباعیات مستقل کتاب میں لکھی ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے ان کی تقسیم کی ہے۔'' (مقدمہ مختار نامہ، صفحہ ۱۲)

ڈاکٹر صاحب کی اس تصحیح کے مقدمے میں عطّار کے سوانح حیات اور تالیفات، ان کی شعری خصوصیت اور فارسی شاعری میں ان کا مقام شامل ہیں۔ انھوں نے مضبوط شواہد سے عطّار کی مسلّم تالیفات کی نشان دہی کی ہے اور داخلی شواہد (اسلوبیات، تاریخ تصوّف) اور خارجی شواہد (نسخہ شناسی) کے ذریعے یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ خُسرو نامہ (= مثنوی گُل وہُرمز) عطّار کی نہیں ہے: ''عطّار نے مختار نامہ کے مقدمے میں اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی دو تصانیف: شَرحُ القُلب اور جواہر نامہ

جلا کر مٹا دی تھیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، صفحہ ۱۲)

ڈاکٹر صاحب عطّار کی رُباعیات میں وسعتِ موضوعات کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

''فارسی ادب میں کچھ ایسے شاعر گزرے ہوئے ہیں جنھوں نے بہت زیادہ رُباعیات لکھی ہیں، مثلاً اوحد الدین کرمانی، بیدل دہلوی، سحابی اَستر آبادی، تاہم ان کی رباعیات عطّار کی رباعیات کے ہم پایہ نہیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۱۲) ''فارسی شاعری میں ہیئت موضوع پر غالب ہے، لیکن رباعی ایسی ہیئت ہے جس میں شعری تجربہ ہیئت پر غالب ہے۔ چنانچہ عطّار کی دوسری تالیفات کے مقابلے میں 'مختار نامہ' میں ان کے روحانی تجربات اور 'لمحات' (ایک عارف کے حالات: بے قراری، شوق، تحیّر وغیرہ) نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۱۲) ۵؎

''ان رباعیات کا مطالعہ، خیّام شناسی کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ ان میں بہت سی ایسی رباعیات ملتی ہیں جو خیّام کی مانی گئی ہیں، لیکن وہ عطّار کے قدیم نسخوں میں بھی موجود ہیں۔''

''عطّار کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام ادبی تالیفات کو عرفان پر وقف کر دیا ہے۔ ان کی مسلّم الثبوت تالیفات میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا عرفانی رنگ نہ ہوگا۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۲۰)

''مولوی کا تصوّف تسلسل ہے عطّار کا۔ عطّار کا تصوّف سنائی کا تکمیل شُدہ تصوّف ہے، جس میں زاہدانہ پہلو کم تر اور شیدائی اور ترنّم زیادہ تر ہے۔ عطّار کی شاعری کی زبان سنائی کی نسبت نرم تر ہے اور کبھی کبھی زُبانِ گُفتار کے قریب۔ وہ عرفان کے گہرے اور باریک مسائل کو بے تکلّفی، روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہیں۔ عطّار کی شاعری میں شعری صنائع غالب ہیں نہ بھاری بھرکم عرفانی اصطلاحات۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۲۱۔۲۲)

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے

اورترکی کے مجموعہ اونی ورسیٹہ کونسخۂ اساس قرار دیا ہے۔(تاریخ کتابت:۸۲۶ھ)
ایران میں دست یاب نسخے :نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی سابق =(موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان)، تاریخِ کتابت ۱۳۱۷ھ، نسخہ کتاب خانہ مرکزِ دائرۃ المعارف بُزرگِ اسلامی، تاریخ کتابت ۸۳۲ھ، چاپِ سَنگی ، ناشر: کتاب خانہ میر کمال، تاریخِ کتابت: ۱۲۵۳ھ۔

زبورِ فارسی

اگر کوئی شخص عطّار کی زندگی اور شاعری کے بارے میں معلومات چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ کتاب مُفید ہوگی۔ اس میں جامع اور مختصر انداز میں عطّار کی سوانح اور شعری خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں شعروں کا انتخاب بھی شامل ہے۔ یہ کتاب تین مباحث پر مشتمل ہے: پہلے حصہ کا عنوان ہے:'دَرون سے بُرون تک'۔ اس میں عطّار کی شاعری کی جمالیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی اس باریک نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عطّار خُراسان میں رہتے تھے، تاہم ان کی شعری جمالیات خُراسان کے روایتی اسلوبِ شعری سے بالکل علیحٰدہ ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب مختلف اسکالرز کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔ عطّار کی نظموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی شعری جمالیات میں خاقانی، اَنوری، نظامی، فرّخی اور منوچہری کے جمالیاتی عناصر نہیں پائے جاتے۔'' (مقدمہ زبورِ پارسی، ص ۱۷)

اس کے بعد انھوں نے عطّار کی زندگی، ماحول اور شاعری سے بحث کی ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ذیلی عنوانات یہ ہیں: عطّار کا تاریخی پس منظر، عطّار کی تالیفات، عطّار کی شاعری کا سرچشمہ، سنائی سے عطّار تک، عطّار کی غزلیں، عطّار کا ذکر تذکرۂ دولت شاہ میں، نسب نامہ معنوی عطّار، عطّار پر ایک اور مطالعہ، فارسی شاعری میں عطّار کے تخلص اور القابات۔ کتاب کے دوسرے حصے میں عطّار کی غزلوں اور رُباعیات کا انتخاب اور تیسرے حصے میں تعلیقات ہیں۔

خلاصۂ بحث

عطّار کی پیدائش کدکن (نیشابور کا قصبہ) میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر شفیعی کا تعلق بھی کدکن سے ہے۔ انہوں نے مُستند تحقیقات کے ساتھ عطّار شناسی کا ایک نیا باب کھولا ہے۔ عطّار کے حوالے سے ڈاکٹر شفیعی کدکنی قلم طراز ہیں: ''اگر فارسی کی عرفانی شاعری کو ایک مُثلّث کی طرح فرض کرلیں تو اس کا ایک ضلع عطّار رہے، دوسرا سنائی اور تیسرا مولوی ۔ دوسرے معنوں میں فارسی کی (باقاعدہ) عرفانی شاعری کا آغاز سنائی سے ہوتا ہے، عطّار کے یہاں وہ کمال تک پہنچتی ہے اور مولوی کے یہاں جا کر اسے عروج حاصل ہوتا ہے۔'' (منطق الطیر، مقدمہ، ص ۱۷) اس اہمیت کی بنا پر ڈاکٹر شفیعی نے عطّار کی تالیفات کی تصحیح کی اور ان کے مقدموں میں عطّار کی فکر کے نئے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

عطّار شناسی کے سلسلے میں ڈاکٹر شفیعی کی دو اور تصحیحات ہیں: مقدمہ، تصحیح و تعلیقات دیوان عطّار اور مقدمہ، تصحیح و تعلیقات تذکرۃ الاولیاء۔ یہ ابھی زیرِ اشاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی عمر میں برکت دے اور ان کی تالیفات و تصحیحات کو ہماری علمی زندگی کے لیے مشعلِ راہ بنائے۔

[شیخ فرید الدین عطار کے بعض متصوفانہ خیالات اسلامی نقطۂ نظر سے قابل نقد ہیں۔ مقالے میں ان سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ادارہ]

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالجواد ادیب نیشابوری (۱۸۶۴ء۔۱۹۲۵ء) ایران کے ماہر استاد، جو فارسی اور عربی کی نظم و نثر، فلسفہ، فلکیات، فقہ، رجال، تاریخ، طب اور موسیقی پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ملک الشعرا بہار (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۱ء) اور بدیع الزمان فروزان فر مشہور ہیں۔

سید ہاشم مُدرّس قزوینی (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۰ء) ایران کے حوزۂ علمیہ مشہد کے استاد۔

سید محمد ہادی میلانی (۱۲۷۳۔ ۱۳۵۴ شمسی) علوم قرآنی اور تفسیر کے ماہر۔

۲۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بعض مجموعہ کلام یہ ہیں: آئینہ ائے برائے صداہا، کوچہ باغ ہائے

نشابور، زمزمه ہا۔

۳۔ بدیع الزّمان فروزان فَر (۱۹۰۴ء۔۱۹۷۰ء) معاصر ایرانی فارسی اسکالرز کے استاذ الاساتذہ۔ ان کی مشہور تصحیحات یہ ہیں: فیه ما فیه ؛ از گُفتارِ مولانا جلال الدین محمد بن حسین خطیبی بلخی ،مشہور بہ بہاء ولد (پہلی اشاعت: ۱۹۵۴ء۔ ۱۹۵۹ء)، معارف بُرہان الدین محقق ترمذی (پہلی اشاعت: ۱۹۶۰ء)

عبدالحسین زَرّین کوب (۱۹۲۳ء۔۱۹۹۹ء) کی مشہور تالیفات یہ ہیں: پلّه پلّه تا ملاقات خُدا ؛ درباره زندگی ، اندیشه و سلوک مولانا جلال الدین رومی (پہلی اشاعت: ۱۹۷۹ء)۔ سرّ نی ؛ نقد و شرح تحلیلی و تطبیقی مثنوی معنوی (پہلی اشاعت: ۱۹۸۵ء)

سید صادق گوہرین (۱۹۱۴ء ۔ ۱۹۹۵ء)۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ فرہنگ لُغات و تعبیرات مثنوی (۹ جلدیں) ۱۹۵۹ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

فوادروحانی (۱۹۰۷ء۔ ۲۰۰۴ء) ایران کے مشہور اور ماہر مترجم، جن کو کئی زبانوں پر مکمل عبور تھا۔ وہ اوپیک کے پہلے سکریٹری جنرل رہ چکے تھے (۲۱رجنوری ۱۹۶۱ء سے ۳۰راپریل ۱۹۶۴ء تک)۔

ہلموٹ ریٹر Hellmut Ritter۔ (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۷۱ء)۔ جرمن مستشرق۔ اسلامی عرفان اور عطّار شناسی کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب لاجواب ہے : Das Meer der Seele: Mensch, Welt und Gott in den Geschichten des Fariduddin Attar (Leiden 1955۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ دریائے جان کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ اس نام سے ہے : The Ocean of the Soul: Man, the World and God in the Stories of Farid al-Din Attar, by John O'Kane, Leiden, 2003.

عبداللہ نورانی وصال (۱۹۲۳ء۔ ۱۹۹۴ء)۔ ان کی مشہور تالیف: فرائد السلوک کی تصحیح (ڈاکٹر غلام رضا آفراسیابی کے تعاون سے۔ پانچ نسخوں کا مقابلہ) (۱۹۸۹ء)۔

کتاب شناسی شیخ فرید الدین عطّار نیشابوری ، علی میر انصاری ، پہلی